

# چوری کے مال سے کاروبار کیا تو حاصل ہونے والے نفع کا حکم

دارالافتاء اہلسنت (دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے چوری کی اور چوری کے مال سے کاروبار کیا اور اس سے نفع بھی حاصل کیا، شرعی رہنمائی فرمائیں کہ چوری کے مال سے کاروبار کرنے کے سبب حاصل ہونے والا نفع حلال ہو گا یا وہ بھی حرام ہو گا؟

## جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ایسا مال حرام جو بالکل ملکیت میں نہیں آتا، جیسے چوری، رشوت، غصب وغیرہ کے ذریعے حاصل کردہ مال، ایسے مال کو اصل مالک تک پہنچانا، فرض ہے، اگر وہ نہ رہا ہو، تو اس کے ورثا کو دینا ہو گا اور اگر کسی صورت نہ اصل مالک کی معلومات ہو سکے اور نہ اس کے ورثہ کی، تو اس مال کو بغیر ثواب کی نیت کے شرعی فقیر کو دینا ضروری ہے، ایسے مال کو کاروبار، خرید و فروخت وغیرہ کسی کام میں لگانا، حرام قطعی ہے، نیز اس قبیح عمل سے سچی توبہ کرنا، بھی ضروری ہے۔ بہر حال اگر کسی نے چوری کے مال سے کاروبار کر کے نفع کمایا، تو نفع اپنے استعمال میں لانا حلال ہو گا یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہیں :

(1) اگر چوری کا مال کوئی ایسی چیز ہو کہ جو لین دین میں متعین ہو جاتی ہے، جیسے سامان (مثلاً موٹر سائیکل، کار وغیرہ) اور اس کو بیچ کر نفع حاصل کیا، تو ایسی صورت میں مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اس چیز کی اصل قیمت مالک یا ورثا کو لوٹانے یا صدقہ کرنے کے ساتھ نفع کو صدقہ کرنا بھی ضروری ہے، نفع اپنے استعمال میں لانا، جائز نہیں۔

(2) اور اگر چوری کا مال ایسی صورت میں تھا، جو لین دین میں متعین نہیں ہوتا، جیسے نقد (یعنی سونا، چاندی، کرنسی نوٹ وغیرہ) یا چوری کردہ مال تو متعین سامان کی صورت میں ہی تھا، لیکن اس کو بیچ کر رقم حاصل کر لی اور اس سے مزید خرید و فروخت اور کاروبار کر کے نفع کمایا، مثلاً مال حرام سے گرو سمری کا سامان خرید کر لایا اور کاروبار شروع کر دیا، تو اگر یہ

سامان خریدتے وقت مالِ حرام پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے، تو خرید اگیا سامان حرام نہیں ہوگا اور مفتی بہ اور مختار للفتویٰ قول کے مطابق اصل رقم مالک یا ورثا کو لوٹانے یا صدقہ کرنے کے بعد نفع کو صدقہ کرنا، لازم نہیں، بلکہ اپنے استعمال میں لانا بھی جائز ہے۔

مالِ حرام پر عقد و نقد جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سامان خریدتے ہوئے چوری کی رقم دکھا کر کہا کہ اس کے بدلے سامان دے دو اور ادائیگی کے وقت بھی وہی رقم دی یا چوری کی رقم تھا کر کہا: اس کے بدلے سامان دے دو۔ ایسی صورت میں خریدی گئی چیز بھی حرام ہوگی۔ اور اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک نہ پائی جائے، مثلاً چوری کی رقم دکھائی اور ادائیگی دوسرے مال سے کر دی یا دکھائی کوئی اور رقم اور ادائیگی کے وقت چوری کی رقم دے دی یا کوئی معین رقم نہ دکھائی اور وہی پہلے دی، بلکہ مطلقاً کہا کہ اتنے روپے کا یا اتنا سامان دے دو، پھر ادائیگی میں مالِ حرام دے دیا، (ہمارے ہاں عموماً یہی طریقہ رائج ہے)، تو ایسی صورت میں مالِ حرام پر عقد و نقد جمع نہ ہونے کے سبب خریدی گئی چیز یا سامان حرام نہیں ہوگا اور اس مال سے کاروبار کر کے کمایا گیا نفع بھی حرام نہیں ہوگا۔

چوری وغیرہ حرام ذرائع سے مال حاصل کیا، تو مالک یا ورثا کو واپس لوٹانا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ الاختیار، رد المحتار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے، واللفظ للآخر: ”والسبیل فی المعاصی ردھا وذلک ہاھنا برد المأخوذ إن تمکن من ردہ بأن عرف صاحبه وبالتصدق بہ إن لم یعرفہ لیصل إلیہ نفع مالہ إن کان لا یصل إلیہ عین مالہ“ ترجمہ: حرام ذرائع سے (حاصل کردہ مال) چھٹکارے کی صورت یہی ہے کہ اس کو واپس کر دیا جائے اور یہاں (مذکورہ صورتوں میں) یہی حل ہے کہ اگر مال کے مالک کا علم ہو کہ اس کو لوٹا سکتا ہے، تو اس کو واپس کرے اور اگر اس کی معلومات نہ ہو، تو (اس کی طرف سے) صدقہ کر دے، تاکہ اسے اس مال کا نفع پہنچ جائے، اگرچہ اصل مال نہیں پہنچ سکتا۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراہیۃ، جلد 5، صفحہ 349، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 1340ھ/1921ء) لکھتے ہیں: ”جو مال رشوت یا تغنی یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا اُن پر واپس کر دے، وہ نہ رہے ہوں اُن کے ورثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کرے، خرید و فروخت کسی کام میں اُس مال کا لگانا حرام قطعی ہے، بغیر صورت مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبکدوشی کا نہیں۔ یہی حکم سود وغیرہ عقود فاسدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں، بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداء تصدق

کروے، وذلک لان الحرمة فی الرشوة وامثالها لعدم الملك اصلا فهو عنده كالمغصوب فيجب الرد على المالك او ورثته ما امکن اما فی الربو واشباهه فلفساد الملك وخبثه واذ اقدم ملكه بالقبض ملكا خبیثا لم یبق مملوک الماخوذ منه لاستحالة اجتماع ملکین علی شیء واحد فلم یجب الرد وانما وجب الانخلاع عنه اما بالرد واما بالتصدق كما هو سبیل سائر الاملاک الخبیثة یعنی: یہ اس لئے کہ رشوت اور اس جیسے مال میں ملکیت بالکل نہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے لہذا وہ مال رشوت لینے والے کے پاس غصب شدہ مال کی طرح ہے لہذا ضروری ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ مال اس کے مالک یا اس کے ورثاء کو لوٹا دیا جائے، اور جہاں تک سود یا اس جیسی اشیاء کا معاملہ ہے اس میں حرمت فساد ملک اور خباثت کی بناء پر ہے اور جب ملک خبیث پر قبضہ کرنے کی وجہ سے وہ مالک ہو گیا تو جس سے مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی، اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو ملک جمع ہونے محال ہیں لہذا مال ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ اسی کو واپس لوٹایا جائے یا صدقہ کر دیا جائے جس طرح دیگر املاک خبیثہ کا حکم ہوتا ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد 23، صفحہ 551 تا 552، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

چوری کے مال کا حکم مغصوبہ مال والا ہے، چنانچہ امام اہل سنت رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ "جد الممتار" میں لکھتے ہیں: "حکم المسروق كالمغصوب، لان الخبث لعدم الملك" ترجمہ: چوری کے مال کا حکم مغصوبہ مال والا ہی ہے کہ دونوں میں خبث کی وجہ ملکیت کا نہ پایا جاتا ہے۔ (جد الممتار، کتاب الغصب، جلد 6، صفحہ 351، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

اور مغصوبہ مال سے کاروبار کر کے نفع کمانے کے متعلق تنویر الابصار و درمختار میں ہے: "(لو تصرف في المغصوب الودیعة) بأن باعه (وربح) فيه (إذا كان) ذلك (متعینا بالاشارة أو بالشراء بدرهم الودیعة أو الغصب و تقدھا) یعنی يتصدق بربح حصل فیہما إذا كانا مما یتعین بالاشارة وإن كانا مما لا یتعین فعلى أربعة أوجه فإن أشار إليها و تقدھا فكذلك يتصدق (وإن أشار إليها و تقد غیرھا أو) أشار (إلى غیرھا) و تقدھا (أو أطلق) ولم یشتر (و تقدھا لا) يتصدق في الصور الثلاث عند الكرخي قيل (وبه یفتی) والمختار أنه لا یحل مطلقا كذا في الملتقى و لوبعد الضمان هو الصحيح كما في فتاوی النوازل واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا لكثرة الحرام وهذا كله على قولهما. وعند أبي يوسف لا يتصدق بشيء منه" ترجمہ: اگر غاصب نے مغصوبہ چیز اور ودیعت میں تصرف کیا، یوں کہ اس کو بیچ کر نفع حاصل کر لیا، تو اگر وہ مغصوبہ چیز اشارے کے ساتھ متعین ہو یا غصب و ودیعت کے درہم کے بدلے خریدنے اور انہی درہم کو ادا کرنے کے ذریعے متعین ہو، تو ان دونوں صورتوں میں حاصل کردہ نفع صدقہ کرنا ہوگا، جب کہ وہ چیز بھی ایسی ہو کہ جو اشارے کے ساتھ متعین ہو جاتی ہو اور اگر ایسی چیز نہ ہو (مثلاً

نقدی ہو، تو اس کی چار صورتیں ہوں گی: (1) مغضوبہ دراہم کی طرف اشارہ کیا اور وہی ادا کیے، تو بھی نفع صدقہ کرنا ہوگا۔ (2) اور اگر اشارہ مغضوبہ دراہم کی طرف کیا اور ادا دوسرے کیے (3) یا اشارہ دوسرے دراہم کی طرف کیا اور ادا مغضوبہ دراہم کیے (4) یا دراہم کو مطلق رکھا، ان کی طرف اشارہ نہیں کیا اور ادائیگی کے وقت مغضوبہ دراہم ادا کر دیئے، تو آخری تینوں صورتوں میں امام کرخی علیہ الرحمۃ کے نزدیک صدقہ کرنا ضروری نہیں اور ایک قول کے مطابق یہی مفتی بہ ہے اور مختاریہ ہے کہ بہر صورت نفع حلال نہیں ہوگا، یونہی ملتقی میں ہے، اگرچہ ضمان ادا کر دیا ہو، یہی صحیح ہے، جیسا کہ فتاویٰ نوازل میں ہے اور بعض فقہائے کرام نے ہمارے زمانے میں حرام میں ابتلا کے عام ہو جانے کی وجہ سے امام کرخی علیہ الرحمۃ کے قول کو مختار للفتویٰ قرار دیا ہے۔ اور یہ ساری بحث طرفین علیہما الرحمۃ کے قول کی بنا پر ہے، امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک نفع کو صدقہ کرنا، کسی صورت ضروری نہیں۔

مذکورہ بالا عبارت کے تحت ردالمحتار میں ہے: ”وفي البزازیة وقول الكرخي عليه الفتوى... (قوله قيل وبه يفتي) قاله في الذخيرة وغيرها كمافي القهستاني، ومشي عليه في الغرر ومختصر الوقاية والاصلاح، ونقله في اليعقوبية عن المحيط، ومع هذا لم يرتضه الشارح فأتى بقيل لمافي الهداية“ ترجمہ: بزازیہ میں ہے کہ امام کرخی علیہ الرحمۃ کے قول پر ہی فتویٰ ہے اور شارح کی عبارت ”قيل (وبه يفتي)“ یعنی ایک قول کے مطابق یہی قول قابل فتویٰ ہے ”ذخیرہ وغیرہ میں بھی اسی کو قابل فتویٰ فرمایا، جیسا کہ جامع الرموز (قہستانی) میں مذکور ہے، غرر، مختصر، وقایہ اور اصلاح میں بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یعقوبیہ میں محیط سے یہی منقول ہے، اس کے باوجود شارح علیہ الرحمۃ نے اس قول کو اختیار نہیں فرمایا اور اس کو قيل کے ذریعے بیان کیا، صرف اس وجہ سے کہ ہدایہ میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ (تویر الابصار و رد المحتار مع رد المحتار، کتاب الغصب، جلد 9، صفحہ 317، 318، مطبوعہ کوئٹہ)

مذکورہ بالا عبارت کے تحت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”جد الممتار“ میں لکھتے ہیں: ”وهذا يقتضى ان ربح النقد المؤدى ضمانه يطيب مطلقاً من دون التفصيل، لانه لا يتعلق العقد بعينه فلا يتمكن الخبث وهذا وارد على قول الكرخي ايضاً... ثم اقول: بل فرق بين ما هنا وما ثمة، اذ المال ثمة واجب الرد بحكم التفاسخ الواجب لحق الشئ بخلاف ما هنا، اذ لا رد بعد اداء الضمان، فما هنا بالجواز اولى“ ترجمہ: اور یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ ضمان ادا کرنے کے بعد نقد کا نفع مطلقاً حلال ہوگا، اس لیے کہ عقد، بعینہ مال حرام سے متعلق نہیں ہوتا، تو خبث بھی سرایت نہیں کرے گا اور یہ امام کرخی علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق بھی ہے۔ پھر میں کہتا ہوں: ہماری اس بحث

اور اس (عقدِ فاسد کی) بحث میں فرق ہے، کیونکہ عقدِ فاسد کی صورت میں عقد کو فسخ کرنے کا حکم ہونے کی بنا پر مال کا لوٹانا واجب ہے کہ یہی شرعی تقاضا ہے، برخلاف اس مقام کے، کیونکہ یہاں ضمان ادا کرنے کے بعد نفع لوٹانے کا حکم نہیں ہے، تو پھر یہاں نفع بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ (جد الممتار، کتاب الغصب، جلد 6، صفحہ 352، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

یہی حکم و تفصیل فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”إذ اتصرف في المغصوب و ربح فهو على وجه إيمان يكون يتعين بالتعيين كالعروض أو لا يتعين كالنقدين فإن كان مما يتعين لا يحل له التناول منه قبل ضمان القيمة وبعده يحل إلا فيما زاد على قدر القيمة وهو الربح فإنه لا يطيب له ولا يتصدق به وإن كان مما لا يتعين فقد قال الكرخي: إنه على أربعة أوجه إما إن أشار إليه وتقدم منه أو أشار إليه وتقدم من غيره أو أطلق إطلاقاً وتقدم منه أو أشار إلى غيره وتقدم منه وفي كل ذلك يطيب له إلا في الوجه الأول وهو ما أشار إليه وتقدم منه قال مشايخنا لا يطيب له بكل حال أن يتناول منه قبل أن يضمنه وبعد الضمان لا يطيب الربح بكل حال وهو المختار والجواب في الجامعين والمضاربة يدل على ذلك واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا لكثرة الحرام“ ترجمہ: مفہوم اوپر گزر چکا۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الغصب، جلد 5، صفحہ 141، مطبوعہ کوئٹہ)

مفتی بہ اور مختار للفتویٰ قول کو بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ "فتاویٰ رضویہ" میں لکھتے ہیں: ”وہ روپیہ کہ راجہ سے مسجد کے لئے مانگ کر لیا اور اس نے بخوشی دیا اسے زبردستی زیر حرمت مان لینا کیا معنی۔ رابعاً بالفرض یہ روپیہ حرام ہی ہوتا، تو امام کرخی کے مذہب مفتی بہ پر مسجد کی طرف اس کی خباثت سرایت نہ کر سکتی، جب تک اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوتے یعنی وہ روپیہ دکھا کر بانٹوں سے اینٹ کڑیاں زمین وغیرہ خریدی جاتیں کہ اس روپے کے عوض میں دے پھر وہی زر حرام ثمن میں ادا کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ عام خریداریاں اس طور پر نہیں ہوتیں تو اب بھی ان مسجدوں میں اثر حرام ماننا جزاف و باطل تھا۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد 16، صفحہ 514، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”وہ چٹائیاں کہ اس روپیہ سے خرید کر مسجد میں دیں ان پر اگر عقد و نقد جمع نہ ہوئے تھے تو مسجد میں ان کا لینا اور استعمال کرنا اور ان پر نماز پڑھنا سب درست ہے اس میں کچھ حرج نہیں عقد و نقد جمع ہونے کے یہ معنی کہ وہی خبیث روپیہ بائع کو دکھا کر کہا ہو کہ اس روپے کے بدلے چٹائیاں دے دے، یہ اس روپیہ پر عقد ہوا پھر وہی روپیہ ثمن میں دے دیا گیا ہو یہ اس روپے کا نقد ہوا، ظاہر کہ یہاں خرید و فروخت میں ایسا بہت نادر ہے غالباً چیز مانگتے ہیں کہ ایک روپیہ کے یہ دے دو پھر زر ثمن ادا کرتے ہیں یہ اگر اس مال خبیث سے ہوا ہو تو اس کا صرف نقد ہوا اس پر عقد نہ

ہوا اور اس صورت میں ان چٹائیوں میں کوئی خباثت نہ آئی اور مسجد پر ان کا وقف صحیح ہو گیا اور وہ دینے والے کو واپس نہیں دی جا سکتیں جب تک مسجد میں قابل استعمال ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد 23، صفحہ 332، 333، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سال وفات: 1367ھ/1947ء) لکھتے ہیں: ”مغضوب یا ودیعت اگر معین چیز ہو اسے بیچ کر نفع حاصل کیا تو اس نفع کو صدقہ کر دینا واجب ہے، مثلاً ایک چیز کی قیمت سو روپے تھی اور غاصب نے اسے سو سو میں بیچا سو روپے تاوان کے دینے ہوں گے اور پچیس روپے کو صدقہ کر دینا ہوگا اور اگر وہ چیز غیر متعین یعنی از قبیل نقد ہو، تو اس میں چار صورتیں ہیں۔ (۱) عقد و نقد دونوں اسی حرام مال پر مجتمع ہوں مثلاً یوں کہا کہ اس روپیہ کی فلاں چیز دو پھر وہی روپیہ اسے دے دیا تو یہ چیز جو خریدی ہے یہ بھی حرام ہے یا بائع کو پہلے سے وہ حرام روپیہ دے دیا تھا پھر اس سے چیز خریدی یہ چیز حرام ہے۔ (۲) عقد ہو نقد نہ ہو یعنی حرام روپیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کی فلاں چیز دو مگر بائع کو یہ روپیہ نہیں دیا بلکہ دوسرا دیا۔ (۳) عقد نہ ہو نقد ہو بائع سے حرام کی طرف اشارہ کر کے نہیں کہا کہ اس روپیہ کی چیز دو بلکہ مطلقاً کہا کہ ایک روپیہ کی چیز دو مگر ثمن میں یہی حرام روپیہ دیا۔ (۴) حلال روپیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کی چیز دو مگر ثمن میں حرام روپیہ ادا کیا ان تین صورتوں میں تصدق واجب نہیں ہے اور بعض فقہا ان صورتوں میں بھی تصدق کو واجب کہتے ہیں اور یہ قول بھی باقوت ہے، مگر زمانہ کی حالت دیکھتے ہوئے کہ حرام سے بچنا بہت دشوار ہو گیا، قول اول پر بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے۔“ (بجاری شریعت، حصہ 15، صفحہ 215، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مجیب: مفتی محمد قاسم عطاری

فتویٰ نمبر: FSD-9278

تاریخ اجراء: 23 شعبان المعظم 1446ھ/22 فروری 2025ء



Dar-ul-Ifta Ahlesunnat (Dawat-e-Islami)



www.fatwaqa.com



daruliftaahlesunnat



DaruliftaAhlesunnat



Dar-ul-ifta AhleSunnat



feedback@daruliftaahlesunnat.net